گلگت میں نصاب تعلیم کا مسئلہ

طاغوتی سازش......یا......سیاسی ایشو

مولانا عطاء اللہ شہاب

پاکستان کے معروف لادین ماہر تعلیم ڈاکٹر عبدالحمید نیر نے بعض دیگر ہم خیال ماہرین تعلیم کی معاونت سے پاکستان کے قومی نصاب تعلیم میں تبدیلی اور ترامیم کے حوالہ سے ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ایک تفصیلی رپورٹ مرتب کی ہے۔اس رپورٹ کی تحریر وترتیب اور اشاعت میں ایک پرائیوٹ این جی او نے بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ بلکہ رپورٹ کے مرتبین کو متعلقہ این جی او نے حد سے زیادہ سہولیات مہیا کی ہوئی تھی۔ یہ رپورٹ جو گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ Sustainable Development Policies Institute(SDPI) کے نام سے تمام معتبر سرکاری حلقوں، لادین و دین دار ماہرین تعلیم، امریکن سفارت خانے اور پاکستان کے سیاسی حلقوں میں زیرِ بحث ہے۔ رپورٹ کے مرتبین نے طاغوتی قوتوں کی فرمائش اور خواہش پر اسلامیات کے علاوہ تمام مضامین سے قرآنی آیات اور اسلامی تاریخ کے تذکروں کو نکالنے کو ضروری اور ناگزیر قرار دیا ہے۔نیز رپورٹ کے مطابق موجودہ نصابی کتابوں میں قرآنی آیات سے نوجوان نسل جہاد اور شہادت کا درس لے کر جوان ہوتی ہے۔اس سے ملک میں رواداری، برداشت اور تحمل کی وہ فضا پیدا نہیں ہوسکتی جو ہندوستان سے دوستی کے لیے درکار ہے۔

SDPI نامی اس رپورٹ میں قرآن وسنت سے ثابت خواتین اور اقلیتی مذاہب کے حقوق کے خلاف تجویز دی گئی ہے کہ ”نصاب میں ایسا مواد جو خواتین، مذہب اور چھوٹے گروہوں (اقلیتوں) اور دوسری قوموں کے خلاف امتیازی سلوک کا درس دیتا ہے کو تبدیل کر کے ایسا نصاب مرتب کیا جائے جو سماجی مساوات، باہمی عزت اور ذمہ داری، انصاف اور امن کی اقدار پر مبنی ہو“۔

نیز اس رپورٹ میں مختلف نصابی کتب سے اسلام کا پہلا تیر انداز حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، غزوہ بدر اور انوکھی جنگ سید احمد شہیدؒ، میجر طفیل شہید اور مسدس حالی سے ایک نظم، کوہ صفا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش سے خطاب جیسے اسباق خارج کردینے کی تاکیدی سفارش کی گئی ہے۔

اسی طرح SDPI نامی رپورٹ میں نظریۂ پاکستان سے متعلق مندرجہ ذیل گیارہ مضامین ۔۱۔قومی ترانہ، ۲۔ یوم دفاع پاکستان ۳۔قائداعظم اور طلبہ ۴۔میرا انعام پاکستان ۵۔تحریک پاکستان میں علماء کا کردار ۶۔صبح آزادی ۷۔میجر عزیز بھٹی ۸۔اقبال اور پاکستان ۹۔راشد منہاس ۱۰۔فرمودات قائداعظم اور ۱۱۔یہ دیس

سارا ہے، ختم کردینے کی مؤکد سفارش کی گئی ہے۔

نیز اس رپورٹ میں یہ بھی سفارش کی گئی ہے کہ ’’عظیم خواتین‘‘ کے عنوان تلے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت عائشہ صدیقہ طاہر عفیفہؓ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی جگہ سوشل ورکر بلقیس ایدھی کا تذکرہ شامل کیا جائے۔ نیز ’’نامور مسلم خواتین‘‘ کے عنوان تلے مندرجہ فاطمہ بنتِ عبداللہ، مولانا محمد علی جوہر کی والدہ بی اماں اور محترمہ فاطمہ جناح کا ذکر خارج کرنے کو کہا گیا ہے۔ نیز شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور سید احمد شہیدؒ کی تحریکوں کو مکمل طور پر حذف کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ نیز اس رپورٹ میں ’’فتح مکہ‘‘ کا سبق درسی کتب میں جہاں کہیں بھی آیا ہے، حذف کرنے کی بات کی گئی ہے۔

SDPI رپورٹ میں بعض ایسی سفارشات پیش کی گئی ہیں جو نہ صرف نظریہ پاکستان اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں بلکہ انسانی اخلاقیات کے بھی خلاف ہیں اور بعض ایسا مواد نصابِ تعلیم میں شامل کرنے کی سفارش کی گئی ہے کہ پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ مرتبین نے ایسی سفارشات ترتیب دیتے وقت اپنا ایمان اور غیرت اس این جی او کے ہاتھ گروی رکھ دی ہو۔ جس نے انہیں تمام مطلوبہ سہولیات مہیا کی ہوئی تھیں۔

اس رپورٹ کو ہائی سطح پر سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہے مگر متحدہ مجلس عمل، پاکستان مسلم لیگ (ن) اور بعض سرکاری ممبران قومی اسمبلی نے بھرپور مخالفت کی ہے۔ بلکہ اس رپورٹ کو ہی اسلام اور نظریۂ پاکستان کی مخالف قرار دیتے ہوئے یکسر طور پر مسترد کر دیا ہے۔ ایک طرف یہ نقشہ ہے جب کہ دوسری جانب پاکستان کے شمالی علاقہ جات بالخصوص ضلع گلگت میں کچھ متعصب اور شرپسند عناصر نے ملک میں رائج موجودہ نصاب تعلیم کو اپنے عقائد اور مذہب کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس بابت حکومت پاکستان بالخصوص شمالی علاقہ جات کی سول انتظامیہ (جس کے بس میں یہ معاملہ نہیں ہے) سے تحریکی قیادت نے مطالبہ کر رکھا ہے کہ موجودہ وفاقی نصابِ تعلیم سے وہ تمام مواد حذف کر دیا جائے جسے وہ (تحریکی شرپسند عناصر قیادت) بزعمِ خود متنازع کہتے ہیں۔

نصابِ تعلیم کو باضابطہ ایشو بنا کر گزشتہ کچھ عرصہ سے احتجاجی جلسے اور جلوس ہو رہے ہیں۔ مختلف مکاتب فکر اور اہل تشیع کا سنجیدہ اور سیاسی طبقہ یکسر طور پر اس کا حامی نہیں ہے۔ نصابِ تعلیم سے متعلق یہ مطالبہ اب گزرتے دنوں کے ساتھ ایک پرتشدد تحریک کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ جو علاقے کے تمام مکاتب فکر کو اپنی لپیٹ میں لیتے جا رہی ہے۔ اس حوالہ سے ۳ جون ۲۰۰۴ء کو گلگت شہر میں ان بلوائیوں نے وہ ہنگامے، جھڑپیں اور احتجاج کیا کہ سول وملٹری انتظامیہ بھی کسی حد تک بے بس نظر آ رہی تھی۔

تحریکی بلوائیوں نے سب سے پہلے دنیور میں قائم ریڈیو پاکستان گلگت ٹرانسمیشن سنٹر کی خوب توڑ پھوڑ کی...... ریڈیو پاکستان کی ایک وین کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا۔ چنار باغ میں واقع VIP ریسٹ ہاؤس کو آگ لگا کر نقصان

پہنچایا گیا اور ساتھ ہی ناردرن ایریاز قانون ساز کونسل کا ہال پر بلوائیوں نے ہلہ بولتے ہوئے بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ کارگل وار کے دوران انڈین آرمی سے چھینا گیا اور جوٹیال میں نصب شدہ انڈین ہیلی کاپٹر جو افواج پاکستان کی جرأت وشجاعت کی داستان ہرگز رنے والے کو بزبانِ حال سناتا تھا کو بری طرح نقصان پہنچایا۔ علی آباد ہنزہ کا تھانہ، اسٹیٹ کمشنر کا دفتر اور گھر نیز علی آباد میں واقع پی ٹی ڈی سی موٹل کو بڑی حد تک نقصان پہنچایا بلکہ موٹل مینجمنٹ کے مطابق تقریباً ۱۰ لاکھ روپے کا نقصان کیا گیا ہے اور سب سے خطرناک بات اور باغیانہ عمل یہ تھا کہ سکوار میں واقع پولیس ریکروٹنگ سنٹر (RTC) پر دینور اور سکوار سے ہزاروں مسلح بلوائیوں نے حملہ کر دیا اور دوسو ریکروٹ پولیس کی موجودگی میں آر ٹی سی کی عمارات کو جلا کر راکھ کر دیا اور نہایت منظم انداز اور بعض سرکاری پولیس اہلکاروں کی ملی بھگت سے سرکاری اسلحہ خانہ سے سرکاری اعداد وشمار کے مطابق تقریباً اڑھائی سو سے زائد چھوٹے بڑے ہتھیار جن میں کئی لائٹ مشین گنیں (LMG) اور کلاشنکوفیں تھیں چوری کیں اور ہزاروں کی تعداد میں گولی کارتوس اٹھا لیے جو تا ہنوز واپس نہیں لیے جاسکے ہیں۔ سوائے چند ہتھیاروں کے اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ دوران کرفیو پاک آرمی اور ایف سی کی گاڑیوں پر منظم حملوں کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری رہا۔ ڈی سی آفس پر حملے کے دوران بلوائیوں میں سے ایک حملہ آور بھی مارا گیا۔

ان سارے واقعات کے دوران پولیس اور اسپیشل برانچ کے بعض ملازمین جو شرپسندوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے نے ان کی قیادت کے اشارے پر اپنی وفاداریاں مکمل طور پر بلوائیوں کے ساتھ وابستہ کیے رکھیں۔ شہر میں مختلف اطراف میں فائرنگ اور ہیوی اسلحہ کا استعمال جس کھلے انداز میں کیا گیا، لگ ایسا رہا تھا کہ قانون کے ساتھ قانون کے محافظین بھی عملاً معطل ہیں۔ ابتدائی پانچ دن یہی کیفیت رہی۔ کوئی وقفہ کرفیو میں نہیں کیا گیا۔ بعد میں حسبِ ضرورت کرفیو میں نرمی کی جاتی رہی۔ اس ساری صورت حال میں اہلسنت عوام، حضرات علماء کرام، سیاسی عمائدین اور معززینِ شہر کی بھرپور کوششوں سے پرامن رہے۔

شرپسند عناصر کی قیادت کی جانب سے ابتدائی مرحلے میں ساٹھ سے زیادہ نکات پیش کیے گئے۔ بعد میں کئی معلوم وجوہات کی بناء پر ساٹھ سے کم کر کے ۲۹ مطالبات رہ گئے۔ ان میں بھی بیشتر مطالبات اور نکات ایسے ہیں جو اہلسنت مسلک کے مسلمات اور ضروریات دین وایمان میں سے ہیں، کو موجودہ قومی نصاب تعلیم سے خارج کر دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو صدیق کا لقب، نیز حضرت ابوبکرؓ کے لیے امیر المومنین اور خلیفہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب، خارج کرنے کا مطالبہ۔ نیز ان ۲۹ نکات میں یہ مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے لیے صدیقہ اور طاہرہ کے القاب استعمال نہ کیے جائیں۔ حضرت خالد بن ولید ؓ کو سیف اللہ نہ کہا جائے...... حضرت عمرؓ کے لیے امیر المومنین کا لقب استعمال نہ کیا جائے...... خلیفہ دوم کے انصاف کو مثالی

قرار نہ دیا جائے۔ نیز حضرات خلفائے ثلاثہ حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ کی خلافت کا انکار۔ نیز ان نکات میں علامہ اقبال، ہارون الرشید اور شمالی علاقہ جات کے معروف مجاہد غازی گوہر امان کے تذکروں کو خارج کر دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

یہ تمام نکات تو سلبی ہیں یعنی بلوائیوں کی قیادت نے اپنے مثبت اصول اور فروع ذکر کرنے کی بجائے اہلسنت کے ایسے مسلمات کو خارج کر دینے یا پھر نصابی مواد سے ختم کر دینے کا مطالبہ کیا ہے کہ مہذب دنیا میں اس طرح کے منفی مطالبات کی کوئی اخلاقی یا آئینی اور قانونی گنجائش نہیں ہوتی۔

شمالی علاقہ جات ایسے حساس اور بے آئین خطہ میں اس طرح کے غیر منصفانہ اور غیر مساویانہ مطالبات کا استعمال نہ صرف علاقے کی وحدت اور ملکی سالمیت کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے بلکہ عالم طاغوت کی نظروں کا محور شمالی علاقوں میں باہمی تصادم سے طاغوتی قوتوں کو یہاں گھس بیٹھنے کا موقع مل جائے گا کہ فرق واحکم کہ لڑاؤ اور حکومت کرو کا فارمولا نہایت قدیم اور مجرب فارمولہ ہے۔

اگر کوئی سیاسی یا مذہبی قیادت اس بات کو سمجھنے کے باوجود اس پر تشدد طریقہ کار پر گامزن رہتی ہے تو پھر طاغوت کی خواہش یا سازش خاکم بدہن پوری ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ داخلی سطح پر مذہبی یا سیاسی ایشو ہے تو پھر بھی اسے غیر متشدد اور سیاسی طریقہ پر چلنے سے سیاسی مفادات حاصل ہوسکتے ہیں۔ تشدد کا راستہ جس طور پر بھی ہو نہایت نقصان دہ ہے۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ویسے SDPI کی رپورٹ اور شرپسند عناصر کے مطالبات میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ جو ہر پہلو سے نہایت تشویشناک ہے۔ حالیہ نصابِ تعلیم کی پرتشدد تحریک نے گلگت شہر کا کاروبار، تعلیم، سیاحت اور سیاسیات سمیت بڑی قربانیوں اور مشکلوں بعد پیدا بھائی چارے اور مذہبی رواداری کی فضا کو بری حد تک متاثر کیا ہے۔

موسم گرما میں اندرون ملک اور بیرون ملک سے ہزاروں سیاح آتے ہیں۔ جن کی وجہ سے علاقے کا کاروبار بڑھ جاتا ہے۔ سیاحت کو فروغ ملتا ہے، ہوٹلنگ کا بند سلسلہ پھر سے چلنے لگتا ہے۔ اب شہر گلگت اور ہنزہ میں پیدا شدہ صورت حال میں کون احمق ہوگا جو اس طرف کا رخ کرے گا۔ نیز قوت کا استعمال ردعمل میں قوت کے استعمال کا باعث بن سکتا ہے۔ پھر اس وقت گلگت سمیت شمالی علاقہ جات کا جو منظر ہوگا۔ تصوراتی نگاہ سے دیکھتے ہوئے روح تڑپ اٹھتی ہے تو جسم لرز کے رہ جاتا ہے۔ پاکستان آرمی، حکومت پاکستان اور علاقے کے خیر خواہ سیاسی، دینی اور سماجی افراد آگے بڑھیں اور اپنا کردار ادا کریں......وگرنہ کہیں دیر نہ ہوجائے۔

☆☆☆